خلفائے راشدین کا اجتہادی منہج

حافظ شعیب احمد

حضرت عمرؓ اور قیاس:

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بعض مواقع پر قیاس سے بھی کام لیا ہے۔ آپؓ نے حضرت ابوموسی اشعریؓ کو جو خط لکھا اس میں بھی انہیں قرآن وسنت میں حکم نہ ملنے کی صورت میں قیاس کرنے کی بایں الفاظ تلقین کی:

''الفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتب والسنه واعرف الامثال والاشباه ثم قس الامور عند ذلك فاعمد الى احبها عندالله عزوجل واشبهها بالحق فيما ترى،،(۱)

''جس مسئلہ بارے کتاب وسنت کی رہنمائی آپ تک نہیں پہنچ سکی اور وہ مسئلہ آپ کی دلی تشویش کا باعث ہے تو اس بارے گہرے غور وخوض سے کام لو اور اس مسئلہ کی نظائر (کتاب وسنت میں) تلاش کرو پھر ان نظائر وامثال پر اس مسئلہ کو قیاس کرو اور وہ فیصلہ جو تمہاری نظر میں اللہ کو سب سے زیادہ محبوب ہو اور حق کے قریب محسوس ہو تو اسے اختیار کرلو۔،،

یہاں آپؓ نے نہ صرف حضرت ابوموسی اشعریؓ کو بوقت ضرورت قیاس کرنے کی تلقین کی بلکہ قیاس کے چند اصول وضوابط کی طرف بھی رہنمائی کردی ہے مثلاً ایک یہ کہ قیاس اس وقت کیا جائے گا جب کسی مسئلہ کا حکم شرعی، کتاب وسنت میں موجود نہ ہو دوسرا اصول یہ ہے کہ مقیس ومقیس علیہ میں کوئی علت مشترک ہو جس کی طرف اشارہ ''اعرف الامثال والاشباہ،، کے الفاظ سے مترشح ہوتا ہے۔(۲) ذیل میں حضرت عمرؓ کے قیاس کرنے کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱) وفاتِ رسول ﷺ کے بعد سقیفہ بنوساعدہ میں جب خلیفہ کی تقرری بارے اختلاف ہوا تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا اسم گرامی پیش کرتے ہوئے قیاسی استدلال بھی پیش کیا تھا۔

آپؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو ہمارے دینی معاملات کا امین بناتے ہوئے امامت صلوۃ کا حکم دیا تھا لہذا وہی ہمارے دنیوی معاملات (خلافت مراد ہے) کے بھی امین ہونے چاہیں۔(۳)

(۲) آپؓ کے عہد خلافت میں ایک دفعہ بہت سخت قحط پڑا جس کے نتیجہ میں نوبت بہ ایں جارسید کہ بعض لوگوں نے مجبور ہوکر چوری کی وارداتیں بھی کیں لیکن آپؓ نے مجبوری وقحط سالی کی بنا پر چوری کرنے والوں پر حدسرقہ نہیں لگائی (۴) تو یہ دراصل آپؓ کے قیاس کا نتیجہ تھا۔قرآن مجید میں مضطر شخص کو بامر مجبوری مردار اور سور وغیرہ کھانے کی اجازت دی دے گئی تھی (۵) حالانکہ عام حالات میں وہ حرام ہیں تو آپؓ نے ایسے مجبور شخص پر ہی ''عام المجاعة ،،(زمانہ قحط) کے چوروں کو قیاس کیا اور ان سے حدساقط کردی۔(۶)

(۳) رسول اللہ ﷺ نے کفار سے جہاد وقتال کے موقع پر حدسرقہ لگانے سے منع کیا تھا (۷) مبادا کہ وہ محدود شخص کفار سے جاملے اور انہیں مسلمانوں کے خفیہ راز جابتائے (۸) آپ ﷺ نے صرف حدسرقہ لگانے سے منع کیا تھا مگر حضرت عمرؓ نے حدسرقہ پر قیاس کرتے ہوئے باقی حدود کے نفاذ سے بھی منع کردیا۔(۹)

حضرت عمرؓ اور استحسان:

حضرت عمرؓ کے اجتہادات پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے بعض اوقات ''اصول استحسان، کا بھی لحاظ کیا۔ ہے۔آپؓ کے عہد حکومت میں ایک عورت کا انتقال ہوا جس کے ورثاء میں خاوند، والدہ، دو سگے بھائی، دواخیافی (ماں شریک) بھائی تھے (۱۰) قانون میراث کے مطابق سگے بھائی عصبات میں اور اخیافی بھائی اصحاب الفروض میں شمار ہوتے ہیں اور عام شرعی قاعدہ یہ ہے کہ اصحاب فروض کو دینے کے بعد جو بچے وہ عصبات کے حصہ میں آتا ہے۔

مذکورہ متوفیہ کے ترکہ میں سے خاوند کا نصف حصہ، والدہ کا چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کا ایک تہائی حصہ بنتا تھا اور انہیں دینے کے بعد سگے بھائیوں کے لیے کچھ نہ بچتا تھا لہذا شرعی طور پر وہ محروم وراثت تھے (۱۱) مگر حضرت عمرؓ نے سگے بھائیوں کا یہ نقصان دور کرنے کے لیے میراث کے عام قاعدہ کو ترک کرکے سگے بھائیوں کو اخیافی بھائیوں کے ساتھ شامل کرکے ان سب کو ایک تہائی میں حصہ دار بنادیا۔(۱۲) یہاں دراصل آپؓ نے ''اصول استحسان،،(۱۳) کا استعمال کیا ہے جیسا کہ استاذ زرقاء لکھتے ہیں:

☆اقنع بصورتک وموھبتک ودخلک واھلک وبیتک تجد الراحة والسعادة.☆

"بذالک سن عمر رضی عنه سنة الاستحسان المقیم للعدالة الرافع للحرج،،(۱۴)

''اس طرح عمرؓ نے استحسان کے طریقے کو متعارف کرایا اور ایسا آپؓ نے دراصل اقامت عدل اور رفع حرج کے لیے ہی کیا تھا۔،،

حضرت عمرؓ اور سدذریعہ:

''سدِ ذریعہ،، کا اصول حقیقت میں مصلحت ہی کی ایک خاص صورت ہے جیسا کہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان رقم طراز ہیں کہ سدِ ذریعہ کا اصول دراصل ''مصالح،، کے اصول کی توثیق کرتا ہے کیونکہ یہ اصول درحقیقت ان اسباب ووسائل کے اختیار کرنے سے منع کرتا ہے جو مفاسد کی طرف لے جاتے ہیں جبکہ مصلحت ہی کا تقاضا ہوتا ہے کہ ''درء المفاسد،، (نقصانات اور خرابیوں کے ازالہ) کی صورت پیدا کی جائے۔لہذا یہ اصول ''سدذریعہ،، حقیقت میں اصول مصلحت کا تتمہ وتکملہ ہے(۱۵) اللہ تعالی نے زنا سے روکا تو سدذریعہ کے طور پر نگاہوں کی حفاظت کا بھی حکم دیا(۱۶) اور سدذریعہ کے طور پر ہی کفار ومشرکین کے جھوٹے اور تصوراتی خداؤں کو گالی دینے سے منع کیا کہ مبادا وہ مسلمانوں کے معبود حقیقی کو برا بھلا کہنا شروع کردیں۔(۱۷)

رسول اللہ ﷺ نے بھی سدذریعہ کے طور پر ہی اجنبی عورت سے خلوت وتنہائی اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔(۱۸) تاکہ کہیں یہ خلوت وتنہائی زنا کاری تک نہ لے جائے(۱۹) اسی طرح حاکم وقت یا قاضی کو کسی ایسے شخص سے ہدیہ قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے جو اس کو اس عہدہ پر مقرر ہونے سے پہلے نہ دیتا رہا ہو(۲۰) اور اس ممانعت کی علت یہی ہے کہ یہ ہدیہ ناجائز تحفوں اور رشوت کا ذریعہ نہ بن جائے (۲۱) گویا ''سدذریعہ،، کے اصول کے تحت ایسا حکم دیا گیا۔

معلوم ہوا کہ قرآن وحدیث سے ''سدذریعہ،، اصول کی طرف ہماری رہنمائی ہوتی ہے قرآن وحدیث کی انہی نصوص کے زیر اثر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ بھی بوقت ضرورت اس اصول کا استعمال کرتے نظر آتے ہیں (۲۲) چند امثلہ حسب ذیل ہیں:

(۱) آپؓ کے بارے ثابت ہے کہ آپؓ نے ایک ایسی بستی جلانے کا حکم دیا جہاں شراب بیچی جاتی تھی (۲۳) اس بستی کے جلادینے سے یقیناً پوری سلطنت پر اس کا اثر پڑا ہوگا اور حضرت عمرؓ کا یہی مقصود تھا وگرنہ تو عام

حالات میں اس طرح املاک کو جلانا جائز نہیں۔(۲۴)

(۲)اسی طرح جب آپؓ نے بوجوہ ایک ہی مجلس کی طلاق ثلاثہ کے نافذ ومنعقد ہوجانے کا اپنی قلمرو میں اعلان کروادیا تو لوگوں نے حلالہ کا راستہ اختیار کرنا شروع کردیا۔طلاق ثلاثہ کے نفاذ کے بعد اگر حلالہ کا دروازہ کھلا رکھا جاتا تو وہ مقصد ہی فوت ہوجاتا تھا جس کے پیش نظر آپؓ نے طلاق ثلاثہ کے نافذ ہوجانے کا اعلان کیا تھا لہذا آپؓ نے حلالہ کا دروازہ بند کرنے کے لیے سدذریعہ کے طور پر اعلان فرمادیا کہ

''لااوتی بمحلل ولامحلل له الارجمتها ،،(۲۵)

''جس بھی حلالہ کرنے والے کو اور جس کے لیے حلالہ کیا گیا کو میرے پاس لایا گیا تو میں ان دونوں کو رجم کردوں گا۔،،

(۳)اسی طرح جس درخت کے سایہ تلے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر صحابہ کرامؓ نے حدیبیہ میں بیعت کی تھی، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے سدذریعہ کے طور پر ہی اسے اکھڑوادیا تھا۔کیونکہ آپؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ لوگ حدیبیہ مقام کی طرف خصوصا سفر کرکے جاتے ہیں اور وہاں اس ''شجرۃ الرضوان،، کے سایہ تلے نماز پڑھتے ہیں اسی لیے آپؓ نے ایک دن لوگوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:

''اراکم ایها الناس رجعتم الی العزی ،الااوتی منذالیوم باحد عاد لمثلها الاقتلته بالسیف ،کما یقتل المرتد،ثم امربها فقطعت،،(۲۶)

''لوگو! میں دیکھ رہا ہوں کہ تم پھر عزی (مشرکین مکہ کی دیوی) کی پرستش کی طرف لوٹ رہے ہو۔خبردار! ایسا کرنے والے جس شخص کو بھی میرے پاس لایا گیا تو میں اسے مرتد کی طرح قتل کردوں گا۔اور پھر آپؓ کے حکم پر اس درخت کو ہی کاٹ دیا گیا۔،،

آپؓ سمجھتے تھے کہ اس درخت سے لوگوں کی یہ والہانہ عقیدت ومحبت بالآخر کہیں انہیں غلو کی طرف نہ لے جائے اور پھر وہ درخت ہی کو مقدس سمجھ کر اس کی پوجا پاٹ شروع کردیں کیونکہ گزشتہ امم کے شرک میں ملوث ہونے کا ایک اہم سبب یہی محبت وعقیدت میں غلو اور افراط وتفریط تھا(۲۷)لہذا آپؓ نے درخت ہی کاٹ دینے کا حکم دے دیا کہ ''نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری،،۔

☆ تفاءل ولاتقنط ولاتیاس واحسن الظن بربک وانتظر منه کل خیر وجمیل.☆

(۴) اسی طرح آپؓ نے حضرت دانیال علیہ السلام کی قبر کو چھپانے کا حکم دیا کیونکہ خدشہ تھا کہ لوگ اسے تقدس کا درجہ دے کر اس کی پوجا پاٹ نہ شروع کر دیں۔ (۲۸)

حضرت عمر فاروقؓ اور استصحاب:

مصادر شریعت میں سے ایک مصدر ''استصحاب،، کو بھی مانا گیا ہے اور اصول فقہ کی اصطلاح میں ''استصحاب،، سے مراد ہے ''جو چیز جس حالت میں پہلے تھی اس کو اس وقت تک اسی طرح اپنی سابقہ حالت میں باقی سمجھنا جب تک کوئی ایسا سبب نہ پایا جائے جو اس کو تبدیل کر دے،، (۲۹) یہ اصول بھی دراصل قرآن وحدیث سے ہی مستنبط ہے (۳۰) جو عقل کو بھی اپیل (appeal) کرتا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اجتہادات میں بھی اس اصول کا استعمال ملتا ہے مثلاً ایک دفعہ حضرت عمرؓ ایک تالاب کے پاس فروکش ہوئے آپؓ کے ساتھ حضرت عمرو بن عاصؓ بھی تھے۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے مقامی لوگوں سے پوچھا کہ اس تالاب سے درندے تو پانی نہیں پیتے؟ حضرت عمرؓ نے مسئول سے کہا کہ یہ بات ہمیں نہ بتانا (۳۱) گویا حضرت عمرؓ کے پیش نظر یہ اصول تھا کہ جب تک حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو اشیاء میں اصل اباحت ہی ہے۔ (۳۲)

حضرت عمرؓ اور مصالح مرسلہ:

حضرت عمرؓ اس بات کو بخوبی سمجھتے تھے کہ شرعی احکام سے مقصود لوگوں کی مصالح کی حفاظت کرنا ہے لہذا لوگوں کی مصالح کی حفاظت بہر صورت ہونی چاہیے۔ آپؓ کے بارے میں آتا ہے:

''کان عمر یجتهد فی تعرف الحکمة التی نزلت فیها الایة ویحاول معرفة المصلحةالتی جاء من اجلها الحدیث ویاخذ بالروح لابالحرف،، (۳۳)

''سیدنا عمرؓ اس حکمت کی معرفت و پہچان حاصل کرنے کی بڑی کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے آیت نازل ہوئی تھی یا نبیؐ کی حدیث ظاہر ہوئی تھی۔ آپؓ قرآن وسنت کے الفاظ کی بجائے ان کی روح اور مقصد پر زیادہ تر نظر رکھتے تھے۔،،

یہی باعث ہے کہ آپؓ کے اجتہادات میں مصالح مرسلہ کی رعایت رکھنے کی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں جن

میں سے چند کا ذکر یہاں کیا جاتا ہے:۔

(۱) حضرت عمرؓ کے دور میں یہ مسئلہ سامنے آیا کہ صنعا میں ایک شخص کو چھ مردوں اور ایک عورت نے مل کر قتل کر دیا اس کے قصاص بارے حضرت عمرؓ کو خط لکھ کر استفسار کیا گیا۔ آپؓ نے صحابہؓ سے مشاورت کے بعد امیر صنعاء یعلی بن امیہ کو لکھا کہ قتل میں شریک تمام افراد کو قتل کر دیا جائے اور ساتھ اپنا یہ مشہور جملہ کہا:

لو اشترک فیه اهل صنعاء لقتلتهم،،(۳۴)

''اگر اس قتل میں تمام باشندگان صنعا بھی شریک ہوتے تو میں ان تمام کو قتل کروا دیتا۔،،

آپؓ کا ایک مقتول کے قتل میں شریک تمام افراد کو قتل کرنے کا حکم دراصل مصلحت مرسلہ کے لحاظ کی بدولت ہی ہے تا کہ لوگوں کی جانیں محفوظ ہو جائیں وگرنہ خصوصا اس بارے کوئی نص موجود نہیں ہے۔ جیسا کہ امام شاطبیؒ لکھتے ہیں:

قددعت الیه المصلحة فلم یکن مبتد عامع مافیه من حفظ مقاصد الشرع فی حقن الدماء(۳۵)

''دراصل مصلحت کا یہی تقاضا تھا لہذا آپؓ نے کسی بدعت کا ارتکاب نہیں کیا کیونکہ اس فیصلہ سے مقصود انسانی جانوں کا تحفظ تھا اور وہ مقاصد شریعت میں سے ایک اہم مقصد ہے۔،،

مصلحت کے علاوہ یہاں سد ذریعہ اصول کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔(۳۶)

(۲) مفقود الخبر شخص کی بیوی بارے حضرت عمرؓ کا فیصلہ یہ ہے کہ وہ خاوند کے لاپتہ ہونے کے دن سے لے کر چار سال تک انتظار کرے گی اگر اس بارے کچھ اطلاع نہ مل سکی تو وہ عورت اگر چاہے تو چار ماہ دس دن یعنی عدت وفات گزارے اور پھر آگے شادی کر سکتی ہے نیز مفقود کی وراثت تقسیم کر دی جائے گی (۳۷)

استاذ زرقاء لکھتے ہیں کہ آپؓ کا یہ اجتہادی فیصلہ دراصل مصلحت مرسلہ کے پیش نظر ہی ہے۔(۳۸)

مصلحت کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں (الف) عامہ (ب) خاصہ

مصلحت خاصہ سے مراد جس سے چند خاص لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہو اور مصلحت عامہ سے مراد جس سے سب لوگوں کو عمومی طور پر فائدہ پہنچتا ہو۔ اصولا مصلحت خاصہ کے مقابلہ میں مصلحت عامہ کا لحاظ کیا جانا چاہیے۔ چنانچہ اسی لیے حضرت عمرؓ بھی مصلحت عامہ کا لحاظ رکھا کرتے تھے۔ لیکن اگر عامہ کے ساتھ خاصہ بھی مل

جائے تو خوش آئند بات ہے۔لیکن جب دونوں میں تعارض ہوتا تو صرف پہلی کا ہی خیال رکھتے تھے۔ایسا صرف شریعت کے مقاصد عامہ کی وجہ سے کرتے تھے۔(۳۹) مثلاً عہد نبوی اور عہد صدیقی میں مسجد حرام کے اردگرد کوئی دیوار نہ ہوتی تھی۔سن سترہ ھجری کو حضرت عمرؓ نے ماہ رجب میں عمرہ کیا تو آپؓ کے علم میں یہ بات آئی کہ صحن کعبہ حج وعمرہ کرنے والوں کی کثرت تعداد کی وجہ سے تنگی داماں کی شکایت کر رہا ہے۔

چنانچہ آپؓ نے مسجد حرام کی توسیع کا پروگرام بنایا لہذا مسجد حرام کے قرب وجوار میں جو مکانات تھے ان کے مالکوں سے خریدے، انہیں منہدم کیا اور پھر انہیں مسجد میں شامل کر دیا۔نیز مسجد کے لیے دیوار بھی کھڑی کر دی گئی (۴۰) یہاں آپؓ اگر مصلحت خاصہ کا لحاظ رکھتے تو ان کے مکانات مسجد میں شامل نہ کرتے۔نتیجتاً توسیع مسجد کا کام نہ ہو پاتا۔لہذا آپؓ نے مصلحت عامہ کے پیش نظر ان کے مکانات گرا کر مسجد میں شامل کر دیئے۔لیکن مصلحت عامہ کی بنا پر عدل کا خاتمہ نہ کیا بلکہ ان مکانات کی قیمتیں ادا کر دیں۔(۴۱)

خلاصہ یہ ہے کہ اگر فاروقی اجتہادات میں غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ مصلحت آپؓ کے اجتہادات کی اساس ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ وہ نصوص صحیحہ کے مخالف نہ ہو۔اگر کسی واقعہ میں نص خاص موجود ہوتی تو حضرت عمرؓ اسی کا التزام کرتے کیونکہ صاحب اختیار اگر محض اپنی سمجھ ودانست کے مطابق ایک مصلحت کو ملحوظ رکھتا ہے اور عمداً نص کی مخالفت کرتا ہے تو شرعی طور پر اس کا حکم نافذ العمل نہیں ہو سکتا۔

حضرت عمرؓ کے کسی بھی اجتہاد میں ہمیں ابتاع نفس کا شائبہ نہیں ملتا۔جب کسی مسئلہ میں نص خاص نہ ہوتی تو ایسا نہ تھا کہ حضرت عمرؓ مصلحت کی پہچان کے لیے محض اجتہاد ورائے کو اختیار کرتے ہوں بلکہ شریعت کے ہی مقاصد عامہ کی طرف مراجعت کرتے تھے۔(۴۲)

حضرت عمرؓ اور عرف کا لحاظ:

(۱) حضرت عمرؓ کے اجتہادات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ نے اجتہاد کرتے ہوئے جن امور کو ملحوظ رکھا ہے ان میں سے مروجہ عرف بھی ہے اگر آپؓ نے رائج عرف کے لحاظ میں ہی مصلحت سمجھی تو اسے ہی اختیار کر لیا مثلاً آپؓ ایک دفعہ شام کے علاقہ میں تشریف لے جاتے ہیں اور وہاں کے غیر مسلموں سے کوئی معاہدہ طے پاتا ہے۔واپسی کے موقع پر ''اذرعات،، کے باشندے تلواروں اور گلدستوں کا ایک کھیل

وکرتب پیش کرکے آپؓ کا استقبال کررہے ہوتے ہیں۔آپؓ نے اسے روکنا چاہا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا کہ امیر المومنین یہ ان عجمیوں کا دستور ہے اگر آپؓ انہیں اس سے روک دیں گے تو یہ لوگ خیال کریں گے کہ شاید آپؓ ان سے کیا ہوا معاہدہ توڑنا چاہتے ہیں اس پر آپؓ نے کہا کہ انہیں کرلینے دو۔(۴۳)

(۲)اسی طرح جب حضرت عمر فاروقؓ نے عراق وشام کے علاقے فتح کیے تو ایرانی دور حکومت سے یہاں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ زمین کا خراج اس کے رقبہ کے حساب سے ایک متعین شرح کے مطابق وصول کیا جاتا تھا آپؓ نے بھی یہی طریقہ برقرار رکھا۔(۴۴)

(۳)رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عرف یہ تھا کہ خاندان وقبیلہ کے لوگ انسان کے دست وبازو بنتے اور ہر موقع پر قوت ومدد کا باعث بنتے تھے لہذا آپ ﷺ نے دیت خاندان وقبیلہ پر مقرر کردی(۴۵)مگر جب حضرت عمرؓ نے بعض اسباب کی بنا پر دفاتر کا نظام قائم کیا(۴۶)تو اب چونکہ باہم مدد اہل دفاتر سے وابستہ ہوگئی یعنی عرف بدلا تو حضرت عمرؓ نے نئے عرف کا لحاظ کرتے ہوئے دیت اہل دیوان (دفتر)پر مقرر کردی(۴۷)اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ سرخسیؒ لکھتے ہیں:''رسول اللہ ﷺ نے دیت کی ذمہ داری خاندان وقبیلہ پر اس لیے ڈالی تھی کہ اس وقت قوت ومدد انہیں کے ذریعہ حاصل ہوتی تھی پھر حضرت عمرؓ نے جب دفاتر کا نظام قائم کیا تو یہ قوت ومدد اہل دیوان (اہل دفاتر)سے وابستہ ہوگئی،،(۴۸)

روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اجتہاد:

آپؓ کے اجتہادات پر نظر ڈالی جائے تو بعض اجتہادات بظاہر نصوص سے ٹکراتے نظر آتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے آپؓ نے نص کو قصداً ترک کردیا ہے لیکن جب بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ راز کھلتا ہے کہ آپؓ کے پیش نظر دیگر کئی نصوص تھیں۔چونکہ وقتی طور پر ایک خاص نص پر عمل سے کسی مفسدہ کے سامنے آنے کا خطرہ تھا یا لوگوں کی مصالح ضائع ہونے کا خطرہ تھا لہذا آپؓ نے صرف ایک نص پر اکتفا کرنے اور جم جانے کو حرج کا باعث سمجھا۔لہذا دیگر نصوص کو بھی سامنے رکھا اور پھر کسی حتمی نتیجہ پر پہنچے بالفاظ دیگر آپؓ نے نصوص کے محض الفاظ پر ہی اصرار نہ کیا بلکہ روح شریعت کو بھی ملحوظ رکھا جیسا کہ ڈاکٹر نادیہ شریف لکھتی ہیں:

''انه کان یعمل بروح التشریع کما کان یعمل بمنطوقه ،،(۴۹)

☆احسن الی الناس،وقدم الخیر للبشر،تلقی السعادة من عیادة مریض،واعطاء فقیر والرحمة یتیم.☆

''آپؓ جس طرح نصوص شریعت کے منطوق (ظاہری معنی و مفہوم) کو اختیار کرتے تھے اسی طرح روح شریعت اور اس کے اصل مقصد کو بھی ملحوظ رکھتے تھے۔،،

حضرت عمرؓ روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے فیصلہ و اجتہاد کرنے کو کس قدر اہمیت دیتے تھے اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوسکتا ہے۔

آپؓ کے پاس کعب بن سعدؓ تشریف فرما تھے کہ ایک عورت نے دبے لفظوں اپنے خاوند کی شکایت کی کہ وہ ہمہ وقت عبادت میں مصروف رہتا ہے اور اس کے حقوق زوجیت بھی ادا نہیں کرتا۔ آپؓ نے اس مسئلہ کے حل کے لیے کعب بن سعدؓ کو حکم دیا تو انہوں نے اس کا حل یوں پیش کیا کہ:

''فانی اری لها یوما من اربعة ایام کان لزوجها اربع نسوة فاذا لم یکن غیرها فانی اقضی له بثلثة ایام و لیالها یتعبد فیهن و لها یوم و لیلة،،

''میرے خیال میں اس عورت کے لیے (خاوند کی جانب سے) ہر چوتھا دن مقرر ہونا چاہیے اور یہ اس مفروضہ کی بنیاد پر ہے کہ اس کے خاوند کی چار بیویاں ہیں لیکن چونکہ بیوی تو صرف اکیلی عورت ہے لہذا میرا فیصلہ یہ ہے کہ تین دن اور تین راتیں اس کا خاوند عبادت میں مشغول رہے مگر چوتھا دن اور رات اس عورت (بیوی) کے لیے مخصوص (کرے)۔،،

حضرت عمرؓ اس فیصلہ سے اتنے خوش ہوئے کہ کعبؓ کو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔(۵۰)

مذکورہ بالا دعوی کی تائید درج ذیل امثلہ سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) مصارف زکوۃ میں سے ایک ''مؤلفۃ القلوب،، (۵۱) نومسلموں یا جن غیر مسلموں کے ایمان لانے کی امید ہو ان کی تالیف قلبی کے لیے ان پر خرچ کرنا۔) ہے مگر حضرت عمر فاروقؓ نے زکوۃ کی اس مد میں اپنے دور میں مال زکوۃ کو خرچ نہ کیا تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ آپؓ نے نص قرآنی کو اپنے اجتہاد کی بدولت معطل یا منسوخ کر دیا بلکہ آپؓ کا اس مد میں مال زکوۃ خرچ نہ کرنا دراصل عارضی تھا (۵۲) اور ایسا دراصل اس لیے تھا کہ آپؓ نے بظاہر نص کی بجائے علت نص کی طرف دھیان دیا۔ شریعت کے اس حکم کی علت یہ تھی کہ وہ لوگ جن کے ایمان لانے کی امید ہو انہیں کچھ دے دلا کر ایمان کی طرف راغب کیا جائے یا وہ کفار جن کے شر کا خوف و خطرہ ہو تو ان کے شر سے بچنے کے لیے انہیں کچھ دے دیا جائے یا جو نومسلم ہوں

تو ان کی اس طرح حوصلہ افزائی کی جائے تا کہ وہ کہیں ارتداد کی راہ پر نہ چل نکلیں۔(۵۳)

حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ یہ دراصل اس وقت تک تھا جب اسلام کمزور تھا لیکن اب چونکہ اسلام کو غلبہ حاصل ہو چکا ہے لہذا اب اس کی ضرورت نہیں رہی (۵۴) نیز حضرت عمرؓ نے اصل میں چند متعین افراد کو دائمی طور پر دینے سے انکار کیا تھا جنہیں عہد نبوت سے حصہ ملتا آ رہا تھا جبکہ قرآن میں تو یہ کہیں بھی نہ تھا کہ چند متعین افراد کو ہمیشہ کے لیے اس کا حصہ دار بنا دیا جائے (۵۵) یہی وجہ ہے کہ جب حضرت عینیہ بن حصنؓ اور اقرع بن حابسؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اپنا حصہ وصول کیا اور ایک تحریر بھی لکھوائی تو حضرت عمرؓ کے پاس وہ تحریر لائے تو آپؓ نے اس تحریر کو مٹا دیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمھاری تالیف اس وقت کرتے تھے جب اسلام ابھی کمزور تھا لیکن اب تم جاؤ اور دونوں اپنی کوشش سے کماؤ۔(۵۶)

معلوم ہوا کہ آپؓ کو دراصل یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اس طرح تو یہ لوگ مستقل طور پر بیت المال پر بوجھ بن کر رہ جائیں گے اور خود کمانے کا نہ سوچیں گے جبکہ اسلامی تعلیمات میں سے ایک اہم تعلیم اپنی محنت سے روزی کمانا بھی ہے۔(۵۷)

(۳) آپؓ سے قبل گھوڑوں پر کوئی زکوۃ نہ عہد نبوی میں لی گئی اور نہ ہی عہدِ صدیقی میں اور اس کی وجہ یہ تھی کہ عرب میں گھوڑوں کو پالنا بہت مشکل بھی تھا اور مہنگا بھی۔ جبکہ اونٹ، بکری اور گائے کو پالنا سنبھالنا نسبتاً آسان تھا لہذا عمومی طور پر گھوڑے ذاتی استعمال کے لیے ہی ہوتے تھے (۵۸) اسی لیے آپ ﷺ نے ذاتی استعمال میں رہنے والے گھوڑے اور ذاتی خدمت کے لیے غلام کو زکوۃ سے مستثنی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

"**لیس علی المسلم فی عبده ولافی فرسه صدقة**،،(۵۹) "مسلمانوں پر اس کے غلام اور گھوڑے کا صدقہ (لازم) نہیں ہے۔،،

لیکن عہدِ فاروقیؓ میں بعض اسباب کی بنا پر لوگوں کے پاس مال و دولت کی بہتات ہوئی حتی کہ گھوڑوں کی بھی تجارت کثرت کے ساتھ ہونے لگی (۶۰) اس صورت حال میں کچھ نیک فطرت لوگوں نے خود گھوڑوں پر زکوۃ ادا کرنے کا خیال ظاہر کیا مگر ابتدا میں آپؓ نے لینے سے انکار کیا۔ ازاں بعد آپؓ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تو حضرت علیؓ نے مشورہ یہ دیا کہ جب لوگ خوش دلی سے دینا چاہتے ہیں

تو آپؓ وصول کر لیجیے لہذا آپؓ نے زکوۃ وصول کی۔(۶۱)

گویا آپؓ نے قرآنی اصول ﴿اَنفِقُوا من طیبٰت ما کسبتم﴾(۶۲)(مومنو! جو پاکیزہ اور عمدہ مال تم کماتے ہو اس میں سے (راہ خدا میں) خرچ کرو۔) کی روشنی میں ایسا کیا۔ آپؓ کا اجتہاد کوئی بدعت کی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ یہ روح شریعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے آپؓ کا اجتہادی فیصلہ تھا۔ آپؓ کے اس اجتہاد کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں صحابہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں سامان تجارت سے زکوۃ نکالنے کا حکم دیتے تھے۔(۶۳) لہذا حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد میں گھوڑوں پر زکوۃ بطور سامان تجارت وصول کی ہے اور روح شریعت کا بھی یہی تقاضا تھا کہ ہر وہ چیز جو بطور سامان تجارت ہو اس سے زکوۃ لی جائے۔

(۳) اسی طرح مشہور واقعہ ہے کہ خلیفہ عمرؓ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک گھر سے ایک خاتون کے درج ذیل شعر پڑھنے کی آواز آئی:

لقد طال هذاالليل واسود جانبه   وارقني ان لاحبيب الاعبه

فوالله لولا الله تخشى عواقبه   لحرك من هذا السرير جوانبه

''یہ رات کس قدر طویل اور تاریک ہو چکی ہے اور میں اس وجہ سے بے خوابی کا شکار ہوں کہ میرا محبوب (خاوند) موجود نہیں جس سے میں دل لگی کرتی اور وہ مجھ سے دل لگی کرتا۔ اللہ کی قسم! اگر اس (اللہ) کی سزاؤں کا ڈر نہ ہوتا تو (کسی زنا کار و بدکار کی وجہ سے) اس چارپائی کی چولیں ہل رہی ہوتیں۔،،

یہ وہ نیک سیرت خاتون ہے جس کے خاوند کو میدان جہاد میں گئے ہوئے ایک عرصہ بیت چکا ہے اور یہ خاتون آج اپنے خاوند کی یاد میں بے چین ہوئے بیٹھی ہے اور اس کی یہ بے چینی و اضطرابی کیفیت اسے مندرجہ بالا شعر پڑھنے پر مجبور کر دیتی ہے(۶۴) حضرت عمرؓ نے اپنی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہؓ سے اس بارے مشورہ کیا کہ ایک عورت کتنا عرصہ اپنے شوہر کی جدائی برداشت کر سکتی ہے۔ مشاورت کے بعد آپؓ نے یہ قانون نافذ کر دیا کہ ہر فوجی چار ماہ کے بعد ضرور اپنے گھر آئے۔(۶۵) یہاں آپؓ کا یہ فیصلہ روح شریعت کے عین مطابق ہے کیونکہ قرآن مجید میں بھی ''ایلاء،، کرنے والے مردوں کو چار ماہ تک بیویوں سے علیحدگی و ناراضی کی اجازت ہے(۶۶) نیز یہاں آپؓ کا اہم مقصود زنا کاری و بدکاری کی

روک تھام بھی ہے جو شریعت کا ہی مقصود مطلوب ہے، گویا سدذ ریعہ سے بھی کام لیا گیا ہے۔

(۳) قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمانوں کو شادی کی اجازت دی ہے (۶۷) مگر حضرت عمرؓ نے کتابیہ عورت سے شادی پر پابندی تو نہیں لگائی البتہ بعض وجوہات کی بناپر اس سے شادی کو ناپسند ضرور جانا۔ وہ وجوہات یہ تھیں:

(الف) مسلمان عورتوں کے بے نکاحی رہ جانے کا خدشہ پیدا ہوا جس سے یقیناً ایک فتنہ پیدا ہوسکتا تھا۔

(ب) آپؓ نے خصوصی طور پر وہ علاقہ جو ابھی نیا نیا اسلامی سلطنت میں شامل ہوا تھا اس میں کتابیہ سے شادی کرنے کو مسلمانوں کے لیے بالعموم اور اربابِ اختیار کے لیے بالخصوص ناپسند جانا کیونکہ اس طرح خدشہ یہ تھا کہ نو مسلم حضرات بھی اپنے والیوں کو دیکھ کر بلاخوف وخطر کتابیات سے شادی کرنا شروع کر دیں گے اور اس سلسلہ میں ان کے زنا کاری و بدکاری سے پاکدامن ہونے یا نہ ہونے کی بھی پرواہ نہ کریں گے، اسی لیے آپؓ نے اپنے ایک خط میں اس خدشہ کا اظہار بایں الفاظ کیا تھا:

''اخاف ان توقعوا المومسات منهن،، (۶۸)

'' مجھے خدشہ اس بات کا ہے کہ آپ لوگ ان (کتابی عورتوں) میں بدکار عورتوں سے بھی شادی کر بیٹھیں گے۔،،

آپؓ نے مدائن کے گورنر حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو جو خط لکھا اس میں آپؓ نے اس خدشہ کا اظہار کیا کہ کہیں لوگ اپنے گورنر کی اقتدا میں کتابی عورتیں جو نسبتاً زیادہ خوبصورت ہیں ان سے دھڑا دھڑ شادی کرنے لگ جائیں جس سے مسلم عورتیں فتنہ میں واقع ہو جائیں یہی باعث ہے کہ آپؓ نے حضرت حذیفہؓ کو بالخصوص اس بات کا حکم دیا کہ وہ یہودیہ عورت کو طلاق دے دیں۔ (۶۹)

حضرت حذیفہؓ نے خط لکھ کر آپؓ سے استفسار کیا تھا کہ آیا اس سے نکاح کرنا حرام ہے تو آپؓ نے نفی میں جواب دیا تھا مگر ان مخصوص حالات میں امکانی خدشات کا اظہار کیا جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے (۷۰) آپؓ نے ایک جائز کام کو مخصوص حالات میں نہ کرنے کا مشورہ دیا نہ کہ آپؓ نے نص قرآنی کو منسوخ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ وطلحہ بن عبیداللہؓ نے تو آخر وقت تک کتابیہ عورت کو اپنے اپنے عقد میں رکھا مگر سیدنا حضرت عمرؓ نے ان پر کوئی نکیر نہیں کی۔ (۷۱)

کتابیہ عورت سے نکاح کے سلسلہ میں قرآن نے ان کے ''محصنت،، یعنی پاکدامن ہونے کو اور ان سے نکاح کرنے والے مردوں کے لیے ﴿محصنین غیر مسفحین ولامتخذی اخدان﴾ (ان سے عفت قائم رکھنی مقصود ہو، نہ کھلی بدکاری کرنی اور نہ چھپی دوستی کرنی۔) کی شرائط وقیود مقرر کی تھیں (۷۲) لیکن جس معاشرہ میں ان قیود کے ضائع ہوجانے کا قوی اندیشہ تھا وہاں حضرت عمرؓ کا کتابیہ عورت سے نکاح کو ناپسند کرنا یا حذیفہ کو طلاق دینے کا حکم دینا دراصل عین منشاء قرآنی کے مطابق ہے۔ (۷۳)

حالات وظروف کا اعتبار:

حقیقی مجتہد وہ ہے جو اس بات کا بھی جائزہ لے کہ احکام کا موقع ومحل کیا ہے لہذا کن حالات میں شریعت کے احکام قابل عمل ہوں گے اور کن حالات میں ان پر عمل کرنے کے نتائج الٹ نکل سکتے ہیں یا احکام پر فوری عمل سے عوام کا ردعمل کیا ہوسکتا ہے بالفاظ دیگر ایک مجتہد کو دوررس نگاہ کا حامل ہونا چاہیے جو اپنے اجتہاد کے نتائج واثرات کا بھی اچھی طرح جائزہ لے سکے۔ یہ وصف ہمیں حضرت عمرؓ میں انتہائی نمایاں طور پر نظر آتا ہے جس کے لیے درج ذیل مثال ذکر کی جاتی ہے۔

عہد فاروقی میں ۱۸ھ کو انتہائی شدت کا قحط پڑا اسی لیے اس سال کو ''عام الرمادۃ،، یا ''عام المجاعۃ،، بھی کہتے ہیں (۷۴) اس میں عام باشندوں کا حال یہ تھا کہ وہ گھاس پھوس ہی نہیں بلکہ مردار، چمڑے اور ہڈی کا ستو کھانے پر مجبور ہوگئے تھے (۷۵) اسی لیے آپؓ نے عام اعلان کرادیا تھا کہ

''اگر خدا نے اس قحط سے جلد نجات نہ دی تو میں ہر کھاتے پیتے گھر میں چند غریبوں اور قحط زدوں کو بھیج دوں گا تاکہ وہ اپنے کھانے میں ان کو شریک کرلیا کریں، کیونکہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کھالیں گے تو دونوں ہلاکت سے بچ جائیں گے،، (۷۶)

قحط کی اس شدت کی بنا پر بعض لوگ اس قدر مجبور ہوئے کہ انہوں نے چوری کی اور وہ پکڑے بھی گئے۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کے سامنے دو راستے تھے کیونکہ دو طرح کی نصوص موجود تھیں۔ ایک طرف حد سرقہ کی واضح آیت تھی کہ ﴿والسارق والسارقة فاقطعوا ايديهما جزآء بما كسبا نكالا من الله والله عزيز حكيم﴾ (۷۷)

''اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو، یہ ان کے فعلوں کی سزا اور خدا کی طرف سے

عبرت ہے اور خدا زبردست اور صاحب حکمت ہے۔،،

اور اس کا تقاضا یہ تھا کہ چور بہر حال چور ہے لہذا ان کے بھی ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اگر چہ انہوں نے بھوک سے مجبور ہو کر چوری کی ہے مگر دوسری طرف درج ذیل نصوص تھیں جن میں بحالت مجبوری کیے گئے گناہ اور غلطی کی معافی کا ذکر ملتا ہے۔

۱۔ بامر مجبوری زبان سے نکلا ہوا کلمہ کفر بھی معاف ہے اللہ عزوجل فرماتے ہیں:

﴿من کفر باللہ من بعد ایمانہ الامن اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم﴾(۷۸)

''جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کے ساتھ کفر کرے وہ نہیں جو (کفر پر زبردستی) مجبور کیا جائے اور اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو بلکہ وہ جو (دل سے اور) دل کھول کر کفر کرے تو ایسوں پر اللہ کا غضب ہے اور ان کو بڑا سخت عذاب ہوگا۔،،

۲۔ مردار، خنزیر، دم مسفوح، غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا جانور وغیرہ حرام ہیں مگر حالت مجبوری میں صرف اتنی مقدار میں کھالینا جس سے جان بچ جائے معاف کر دیا گیا ہے چنانچہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿انما حرم علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر وما اھل بہ لغیر اللہ فمن اضطر غیر باغ ولا عاد فلا اثم علیہ ان اللہ غفور رحیم﴾(۷۹)

اس نے تم پر مرا ہوا جانور اور لہو اور سور کا گوشت اور جس چیز پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے، حرام کر دیا ہے۔ ہاں جو ناچار ہوئے (بشرطیکہ) خدا کی نافرمانی نہ کرے اور حد (ضرورت) سے باہر نہ نکل جائے اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ بے شک خدا بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔،،

گویا قرآن مجید میں مجبوری کا لحاظ کیا گیا ہے اور عارضی و وقتی طور پر محرمات کے استعمال کو بھی جائز کر دیا ہے۔ فقہاء کرام نے ایسی ہی آیات سے یہ اصول اخذ کیا ہے:

''الضرورات تبیح المحظورات ،،(۸۰) ''ضرورت و مجبوری کی بنا پر ممنوع و حرام کام کا استعمال مباح ہو جاتا ہے۔،،

اسی طرح حدود بارے ایک اہم حدیث نبی ﷺ سے یہ بھی منقول ہے کہ ''ادرء والحدود بالشبھات،

(۸۱) ''شبہات کی بنا پر حدود نافذ نہ کرو۔،،

اور یہاں شبہ عامہ موجود تھا۔(۸۲)

جب دو طرح کی نصوص باہم متصادم تھیں تو حضرت عمرؓ نے ان نصوص کو ترجیح دی جن میں فی الحال مصلحت کا پہلو زیادہ تھا اور حالات وظروف اسی کے متقاضی بھی تھے کیونکہ اگر حد لگا کر چوروں کو سزا دی جاتی تو نتیجۃً لوگ ڈر کے مارے چوری نہ کرتے مگر بھوک وافلاس کی وجہ سے وہ اپنی جانوں سے ہی ہاتھ دھو بیٹھتے ۔ان حالات میں گویا دو طرح کی مصالح متصادم تھیں ،ایک طرف لوگوں کے اموال کی حفاظت کے مقابلہ میں جانوں کی حفاظت زیادہ ضروری واہم ہے لہذا آپؓ نے دوسری مصلحت کو ترجیح دی کیونکہ اس وقت حالات کا تقاضا ہی یہ تھا۔(۸۳)

حضرت عمرؓ اور جدت پسندی(Modernism)

اہل یورپ کے یہاں مشہور زمانہ اصطلاح جدت پسندی کا مفہوم ہر قسم کے جدید نظریے کو قبول کر لینا ہے خواہ اس کے نتیجہ میں دینی عقائد کی بنیادیں ہل جائیں بلکہ ان کے یہاں جدت پسندی کا مطلب ہی یہ ہے کہ اپنے دینی عقائد ونظریات میں لامتناہی حد تک لچک پیدا کر لی جائے جبکہ بقول بعض اہل مغرب نے مذہب سے اپنی آزادی کی تحریک کو جدیدیت (Modernism) کا نام دیا(۸۴) مگر اسلام ایک مسلمان کو ایسی جدت پسندی کی قطعاً اجازت نہ دے گا۔گویا جدت پسندی کے حوالے سے ایک مسلمان اور کافر کی سوچ اور طرز عمل میں نمایاں فرق ہونا چاہیے۔

جدت پسندی کا حقیقی اور صحیح مفہوم نئے افکار ونظریات یا نئی ترقیات ورجحانات کو اختیار کرنا ہے۔(۸۵) اسلام تمام ایسے جدید نظریات یا ترقیات کے اختیار کر لینے کی اجازت دیتا ہے جس سے انسانیت کا فائدہ ہو لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور روحِ شریعت کے قطعاً متعارض ومنافی نہ ہوں لہذا ہر نئے کام کو بدعت قرار دے دینا یا محض اس وجہ سے ٹھکرا دینا کہ وہ کفار کی طرف سے پیش کردہ ہے کوئی صحیح اسلامی طرز فکر نہیں ہے۔ایک اچھی چیز اگر کفار کی جانب سے بھی ملے تو وسعت ظرفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے قبول کیا جانا چاہیے۔راقم الحروف نے ایک دفعہ اپنے مقالہ ''اسلام اور جدت پسندی ،، میں لکھا تھا:

☆لاتوقع الحوادث، ولاتنتظر السوء، ولاتصدق الشائعات، ولاتستسلم للاراجیف.☆

''اسلام جدت کا ساتھ دیتا ہے مگر اجتہاد کے ذریعے۔ اسلام نئے ترقیات ورجحانات کو خواہ فکری ہوں یا مادی، ان کا دشمن نہیں بلکہ ان کو اپنانے کی اجازت دیتا ہے مگر ان کی تطہیر وتزکیہ کر کے اوران کے نقصان دہ پہلو کو دور کر کے۔ یہی حقیقت میں جدت پسندی ہے۔ ہرنئی چیز اور فکر کو بے سوچے سمجھے اختیار کر لینا تو حماقت اور بیوقوفی ہے اور ایسی حماقت وجہالت سے اللہ ہر کسی کو محفوظ رکھے،،۔(۸۶)

اسلام جدت پسندی کی اجازت دیتا ہے اس لحاظ سے حضرت عمر فاروقؓ بھی نہایت جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ اسلام سے قبل عرب اور روم وایران کی تہذیبوں اوران کے نظام حکومت وغیرہ میں نمایاں فرق تھا۔ روم وایران اس دور کی سب سے بڑی اور برتر طاقتیں (super power) خیال کی جاتی تھیں جب کہ ان کے مقابلہ میں عرب کو غیر منظم، غیر مرتب اور (uncultured) قوم کہا جا سکتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے زیر اثر عرب قوم میں تبدیلی کے آثار پیدا ہونا شروع ہوئے بالآخر عرب کے بدو اور بکریوں کے چرواہے دنیا کے امام وپیشوا بن گئے اوراب وہ وقت آیا کہ روم وایران ایسی سپر طاقتیں بھی اسلامی سلطنت کا حصہ بن جاتی ہیں۔ یہ نئے علاقے جب اسلامی ریاست میں شامل ہوئے تو ظاہر ہے مسلمانوں کو نئی تہذیب، کلچر اور نیا نظام حکومت وغیرہ دیکھنے کا موقع ملا جس سے اخذ واستفادہ کی راہیں ہموار ہوئیں۔ اس سلسلے میں حضرت عمرؓ کی شخصیت امت مسلمہ کے لیے خصوصاً قدوہ واسوہ (ideal) کی حیثیت رکھتی ہے کہ آپؓ نے ہی پہلی مرتبہ کفار کے مفید اور مستحسن اقدامات سے بھر پور فائدہ اٹھایا اوراس بارے کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس نہ کی اور نہ ہی اسے باعث عار سمجھا۔ چنانچہ ڈاکٹر ساجد الرحمان صدیقی رقم طراز ہیں:

''اسلامی ریاست میں موجود اداروں کو مستقل شکل جناب فاروق اعظمؓ کے دور حکومت میں ہی ملی اور پھر بعد کے دونوں خلفاء نے اس نظم کو قائم رکھا۔ جناب فاروق اعظمؓ نے اسلامی روح کے مطابق ''الحکمۃ ضالۃ المومن ،، کے اصول پر عمل پیرا ہوتے ہوئے جہاں سے بھی کوئی ایسی چیز ملی جو امت کے لیے نفع بخش ہوتی، اسے قبول کر کے اسلامی نظام کا حصہ بنا دیا اور قطعاً کسی تعصب کو خاطر میں نہیں لائے،،۔(۸۷)

ذیل میں حضرت عمرؓ کے کفار کے تشکیل کردہ انتظامی امور سے استفادہ کی چند امثلہ ذکر کی جاتی ہیں:۔

(۱)۔عہد فاروقی میں جب حکومتی آمدن کی شرح بہت بڑھ گئی تو رعایا (public) میں اس کی منصفانہ تقسیم کا مسئلہ پیش آیا کہ ہر شخص تک اس کا حق کیوں کر پہنچایا جا سکتا ہے جبکہ کوئی شخص محروم بھی نہ رہے۔ حضرت عمرؓ کی مجلس شوری میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا اور مختلف آراء سامنے آئیں۔ بالآخر ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ انہوں نے (ریکارڈ کے لیے) رجسٹرڈ (دیوان) بنا رکھے ہیں ۔چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو قبول کرتے ہوئے رجسٹرز تیار کروائے جس میں لوگوں کے نام ایک خاص ترتیب سے لکھوائے اور اس طرح سب لوگوں تک بہ سہولت ان کا حق پہنچنا ممکن ہوا۔(۸۸)

(۲)۔حضرت عمرؓ کے عہد میں ہی رسد کا ایک مستقل محکمہ یونانی طرز پر بنایا گیا جس کا نام ''اہرا،، بھی یونانیوں سے ہی مستعار لیا گیا تھا۔چنانچہ علامہ شبلی نعمانیؒ اس بارے داد تحقیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جس کا نام ''اہرا،، تھا چنانچہ شام میں عمر بن عتبہ اس محکمے کے افسر مقرر ہوئے۔اہرا ہری کی جمع ہے اور ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا،،۔(۸۹)

(۳)۔عراق کے کفار سے جزیہ لینے کا موقع آیا تو حضرت عمرؓ نے اس سلسلہ میں وہی اصول ملحوظ رکھے جو نوشیرواں نے اپنی حکومت میں تشکیل دیے تھے چنانچہ نوشیرواں کے اصول وضوابط جاننے کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت حذیفہؓ اور عثمان بن حنیفؓ کو اپنے سرکاری مراسلہ میں عراق کے دو بڑے زمینداروں کو اپنے پاس بھیجنے کا حکم دیا۔چنانچہ یہ زمیندار ترجمان (Translator) کے ساتھ آئے اور حضرت عمرؓ نے ان سے دریافت کیا کہ سلاطین عجم کے یہاں مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔(۹۰)

(۴)۔حضرت عمرؓ نے خراج کی وصولی کے لیے محض عراق صوبے کی پیمائش کرائی البتہ باقی تمام علاقوں میں جس طرح کا نظام (system) پہلے سے رائج تھا اسے ہی برقرار رکھا یہاں تک کہ اس سلسلے میں ریکارڈ کے رجسٹروں کی زبان بھی نہ بدلی اور نہ ہی سابقہ ملازم بدلے تاہم گزشتہ نظام میں جہاں ظلم وستم نظر آیا اس کے فوری بدلنے میں ذرا بھر تاخیر سے کام نہ لیا چنانچہ رومی اہل مصر سے ہر سال خراج کے علاوہ بھی غلہ ایک کثیر مقدار میں لیتے تھے اور فوج کے لیے بھی رسد کا غلہ یہیں سے جاتا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ نے

یہ دونوں قسم کے ظالمانہ غلے لینے ہمیشہ کے لیے ختم کردیے۔(۹۱)

مذکورہ بالا امثلہ سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ حضرت عمرؓ قدیم سلطنتوں کے حالات وانتظامات کے بارے میں واقفیت حاصل کرکے اس سے بلاجھجک استفادہ کرتے رہے البتہ اس سلسلہ میں ''خذ ماصفا ودع ماکدر،، (میٹھا میٹھا ہڑپ کڑوا کڑوا تھو۔) کے اصول کا ضرور لحاظ رکھا گیا۔ بالفاظ دیگر جو مفید چیزیں شریعت کی تعلیمات کے منافی نہ تھیں انہیں قبول کرلیا اور جوروح شریعت کے منافی تھیں انہیں رد کرنے میں بھی دیرنہ کی بلکہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہوئے اصلاحی اقدامات اٹھائے اسی لیے علامہ شبلی نعمانیؒ (م۱۳۲۲ھ) اس بارے خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد اور انتظامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اوران میں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتیں اس کو اختیار کرتے تھے۔۔۔۔۔البتہ جہاں کوئی نقص پایا اس کی اصلاح کردی،، (۹۲)

حواشی

۱۔علی بن عمر، دارقطنی، امام: سنن الدارقطنی (مع التعليق المغنی) (نشر السنة، ملتان، س۔ن) ۲۰۶:۴

۲۔عبدالسلام، ندوی، مولانا: سیر الصحابۃ (ادارہ اسلامیات، لاہور، س۔ن (جلد۵ حصہ۹ صفحہ ۲۵۹

۳۔عرفان خالد، ڈھلوں، ڈاکٹر: علم اصول فقہ، ۳: ۸۳

۴۔امام عبدالرزاق: المصنف، ۱۰: ۲۴۳

۵۔چنانچہ درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں: البقرۃ، ۲: ۱۷۳، الانعام، ۶: ۱۴۵، النحل، ۱۶: ۱۱۵

۶۔نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ، ص ۳۰۶ و محمد حمید اللہ، ڈاکٹر: خطبات بہاول پور (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۵م) ص ۱۲۴

۷۔امام ترمذی: جامع ترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء ان لا یقطع الایدی فی الغزو، حدیث: ۱۴۵۰

۸۔عبدالعظیم شرف الدین، ڈاکٹر: تاریخ التشریع الاسلامی (جامع قاریونس، بنغازی، ۱۹۹۳م) ص ۹۹۔۱۰۰

۹۔نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۶

۱۰۔امام عبدالرزاق: المصنف، ۱۰: ۲۴۹ و عبداللہ بن محمد، ابن ابی شیبہ، امام: المصنف (دارالفکر، بیروت

و۱۹۹۴م) ۷: ۳۳۴ وامام بیہقی: السنن الکبری ۶: ۲۵۵

۱۱۔عرفان خالد، ڈھلوں: علم اصول فقہ، ۱: ۴۵۲

۱۲۔امام ابن ابی شیبہ: المصنف ۷: ۳۳۴

۱۳۔کیونکہ استحسان سے مراد ہے ’’قیاس جلی کو چھوڑ کر قیاس خفی کو اختیار کرنا یا کسی حکم اور اصل کلی سے کسی ایک جزئیہ کا استثناء کرنا،،۔(عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر: الوجیز فی اصول فقہ، فاران اکیڈمی، لاہور، س۔ن، ص ۲۳۱)

۱۴۔زرقا، مصطفیٰ احمد: المدخل الفقہی العام (دار الفکر، دمشق، ۱۹۶۸م) ۱: ۸۹

۱۵۔عبدالکریم زیدان: الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۲۵۰

۱۶۔سورۃ النور، ۲۴: ۳۰۔۳۱

۱۷۔سورۃ الانعام، ۶: ۱۰۸

۱۸۔امام مسلم: صحیح مسلم، کتاب الحج، باب سفر المراۃ مع محرم الی حج وغیرہ، حدیث: ۳۲۷۲

۱۹۔ابن تیمیہ، امام: السیاسۃ الشرعیہ (وزارۃ الشوون الاسلامیہ، الریاض، ۱۴۱۸ھ) ص ۱۱۲

۲۰۔محمد بن اسماعیل، صنعانی، امام: سبل السلام شرح بلوغ المرام (جمعیہ احیاء التراث الاسلامی، کویت، ۲۰۰۰م) ۴: ۱۹۶

۲۱۔عبدالکریم زیدان: الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۲۴۹

۲۲۔نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۱۱

۲۳۔امام ابن قیم: الطرق الحکمیہ، ص ۱۶

۲۴۔سید مودودی: الجہاد فی الاسلام (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ۱۹۷۳م) ص ۲۲۷

۲۵۔امام عبدالرزاق: المصنف، ۶: ۲۶۵ وحافظ ابن حزم: المحلی، ۱۰: ۱۸۱، ۱۱: ۲۴۹ وامام ابن قدامۃ: المغنی، ۶: ۶۴۶

۲۶۔امام قرطبی: تفسیر القرطبی، ۱۶: ۲۷۴۔۲۷۸ بحوالہ نادیہ شریف، العمری، ڈاکٹر: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۱۱

۲۷۔جس طرح کہ قوم نوح نیک اور صلحاء افراد کی محبت وعقیدت میں غلو کا شکار ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ انہی کی

عبادت کرنے لگے (جلال الدین سیوطی: الدر المنثور، دار الفکر، بیروت، ۱۹۹۳م، ۸: ۲۹۳_۲۹۴)

۲۸_محمد بن ابوبکر، ابن قیم، امام: اغاثۃ اللہفان (المکتب الاسلامی، بیروت، ۱۹۹۸م) ۱: ۳۱۹

۲۹_محمد بن علی، شوکانی، امام: ارشاد الفحول (محل محمد امین، مصر، ۱۳۲۷ھ) ص ۲۲۰

۳۰_قرآن وحدیث سے اس کے دلائل جاننے کے لئے ملاحظہ ہو: عرفان خالد ڈھلوں: علم اصول فقہ ۱: ۴۸۲_۴۸۳ وعبدالکریم زیدان، الوجیز فی اصول الفقہ، ص ۴۱۷

۳۱_مالک بن انس، امام: الموطا، کتاب الطہارۃ، باب الطہور للوضوء، ۱: ۱۷ وامام شاطبی: الموافقات، ۴: ۳۲۰

۳۲_عبدالسلام، ندوی: سیر الصحابہ جلد ۵، حصہ ۹، صفحہ ۲۵۷

۳۳_القضاء فی الاسلام، ص ۱۰۴ بحوالہ محمد تقی امینی: اجتہاد (قدیمی کتب خانہ کراچی، س۔ن) ص ۴۵

۳۴_امام بیہقی: السنن الکبری ۸: ۴۱ وامام بخاری: صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب اذا اصاب قوم من رجل هل یعاقب او یقتص منهم کلهم، حدیث: ۶۸۹۶

۳۵_ابراھیم بن موسی، ابو اسحق، شاطبی، امام: الاعتصام (دار المعرفۃ، بیروت، س۔ن) ۲: ۱۲۵

۳۶_عبدالکریم زیدان، ڈاکٹر: المدخل لدراسۃ الشریعۃ الاسلامیہ (موسسۃ الرسالۃ، بیروت، ۱۹۹۰م) ص ۱۰۵

۳۷_امام ابن حزم: المحلی، ۱۰: ۱۳۶

۳۸_مصطفی احمد زرقا: المدخل الفقہی العام، ۱: ۱۶۱

۳۹_نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۷_۳۰۸

۴۰_علی بن ابی الکرم، ابن اثیر، امام: الکامل فی التاریخ (دار صادر، بیروت، ۱۹۶۵م) ۲: ۵۳۷

۴۱_ایضا وامام طبری: تاریخ الامم والملوک، ۴: ۶۸_۶۹

۴۲_نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۳۰۷

۴۳_قاسم بن سلام، امام: کتاب الاموال (تصحیح وتعلیق: محمد حامد الفقی) (ناشر ندارد) ص ۱۵۲

۴۴_ابو یوسف، قاضی، امام: کتاب الخراج، ۲۸

۴۵_محمد تقی امینی: احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص ۹۱

۴۶۔ان اسباب بارے تفصیل جاننے کے لیے باب سوم کی فصل اول ملاحظہ ہو۔

۴۷۔اہل دیوان سے مراد ایک ہی محکمہ کے وہ لوگ جن کے نام ایک دیوان (رجسٹر) میں درج کر لیے جاتے تھے (محمد تقی امینی: احکام شرعیہ میں حالات وزمانہ کی رعایت، ص۱۸۴)

۴۸۔شمس الدین، سرخسی، امام: المبسوط (دار المعرفہ، بیروت، س۔ن) ۲۷:۱۲۵۔۱۲۶

۴۹۔نادیہ شریف: اجتہاد الرسول ﷺ ص ۲۵۷

۵۰۔امام ابن قیم: الطرق الحکمیہ، ص۲۴۔۲۵

۵۱۔سورۃ التوبہ، ۹:۶۰

۵۲۔مجیب اللہ ندوی اجتہاد اور تبدیلی احکام (مرکز تحقیق دیال سنگھ، لاہور، س۔ن) ص۸۴۔۸۵

۵۳۔محمد رشید رضا: تفسیر المنار (دار الفکر، بیروت، س۔ن) ۱۰:۴۹۴۔۴۹۵

۵۴۔مصطفیٰ احمد، زرقاء: المدخل الفقہی العام، ۱:۱۵۹

۵۵۔مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام، ص۸۴۔۸۵

۵۶۔امام بیہقی: السنن الکبری، ۷:۲۰ وامام طبری: تفسیر الطبری، جامع البیان تاویل آی القرآن (مکتبہ ومطبعہ مصطفیٰ البابی، مصر، ۱۹۵۴م) ۱۰:۱۶۳

۵۷۔مثلاً رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''تم میں سے، کسی کا اپنی رسی پکڑ کر اپنی پشت پر لکڑیوں کا گٹھا لانا اور پھر بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنا لوگوں سے سوال کرنے سے بہت بہتر ہے۔ (صحیح بخاری: ۱۴۷۱)

۵۸۔مجیب اللہ ندوی: اجتہاد اور تبدیلی احکام، ص۱۴۱۔۱۴۲

۵۹۔امام مسلم: صحیح مسلم، کتاب الزکاۃ، باب لا زکاۃ علی المسلم فی عبدہ وفرسہ، حدیث: ۲۲۷۳

۶۰۔المرجع السابق، ص۱۴۲

۶۱۔امام قاسم بن سلام: کتاب الاموال، ص۴۶۴، ۴۶۵

۶۲۔البقرۃ، ۲:۲۶۷

۶۳۔ابوداود، سلیمان بن اشعث، امام: سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب العروس اذا کانت للتجارۃ، حدیث: ۱۵۶۲

☆

۶۴۔امام بیہقی :السنن الکبری،۹:۲۹

۶۵۔امام ابن قدامہ:المغنی،۷:۳۰۱

۶۶۔سورۃ البقرۃ،۲:۲۲۶

۶۷۔سورۃ المائدۃ،۵:۵

۶۸۔احمد بن علی ،الرازی ،جصاص،امام:احکام القرآن(دارالکتاب العربی،بیروت،س۔ن)باب تزویج الکتابیات،۲:۳۲۴

۶۹۔محمد بن حسن،الشیبانی،امام: کتاب الآ ثار،ص۸۹

۷۰۔المرجع السابق

۷۱۔محمد بن عبدالواحد،ابن ھمام،امام:شرح فتح القدیر(مکتبہ التجاریۃ الکبری،مصر،س۔ن)۲:۳۷۲وامام جصاص:احکام القرآن،۲:۳۲۵

۷۲۔سورۃ المائدہ،۵:۵

۷۳۔مجیب اللہ ندوی:اجتہاداورتبدیلی احکام،ص۱۴۰

۷۴۔امام ابن اثیر:الکامل،۲:۵۵۵

’’رماد،،خاک اورراکھ کو کہتے ہیں جبکہ’’مجاعۃ،،بھوک کو۔چونکہ اس قحط میں ایک عرصہ تک بارش نہ ہونے کی وجہ سے ہرطرف خاک اڑتی رہتی تھی اوربھوک کی شدت سے لوگوں کے چہروں اورجسم کارنگ سیاہ پڑ گیا تھالہذا اس سال کو’’عام الرمادۃ،،اور’’عام المجاعۃ،،کہاجاتا ہے۔(مجیب اللہ ندوی:اجتہاداورتبدیلی احکام،ص۱۰۸)

۷۵۔ایضا

۷۶۔امام ابن الجوزی: تاریخ عمر بن الخطاب،ص۸۸

۷۷۔سورۃ المائدۃ،۵:۳۸

۷۸۔سورۃ النحل،۱۶:۱۰۶

۷۹۔سورۃ البقرۃ،۲:۱۷۳،الانعام،۶:۱۴۵

• ☆لاتتاثرمن القول الفصیح،والکلام السیی الذی یقال فیک،فانہ یؤذی قائلہ ولایؤذیک.☆

۸۰۔محمد عمیم الاحسان، مفتی: قواعد الفقہ (الصدف پبلشرز، کراچی، ۱۹۸۲م) ص ۸۹

۸۱۔امام علی متقی: کنز العمال، ۵:۳۰۹

۸۲۔مصطفیٰ احمد زرقاء: المدخل الفقہی العام، ۱:۱۵۹

۸۳۔مصطفیٰ زید: المصلحۃ فی التشریع الاسلامی ونجم الدین الطوفی ص ۲۹۔۳۲

۸۴۔انیس احمد، ڈاکٹر: جدیدیت، تجدید اور اسلام، ماہنامہ ترجمان القرآن، لاہور، (جلد ۱۲۸، شمارہ ۱، جنوری ۲۰۰۱م) ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۴۲

۸۵۔فضل الرحمٰن، ڈاکٹر: اسلام اور جدیدیت (مشعل عوامی کمپلیکس، لاہور، ۱۹۹۸م) ص ۱۱۔۱۲

۸۶۔شعیب احمد: اسلام اور جدت پسندی ہفت روزہ الاعتصام (جلد ۵۸، شمارہ ۱۹ تا ۲۴ مئی ۲۰۰۶م) دار الدعوۃ السلفیہ، لاہور، ص ۲۶

۸۷۔ساجد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر: اسلامی معاشرہ کی تاسیس وتشکیل (ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۷م) ص ۲۰۷۔۲۰۸

۸۸۔عبد الوہاب النجار: الخلفاء الراشدون، ص ۲۴۴۔۲۴۵

۸۹۔شبلی نعمانی: الفاروق ص ۲۵۲۔۲۵۳

۹۰۔ایضاً، ص ۳۱۰

۹۱۔ایضاً، ص ۲۱۰

۹۲۔ایضاً، ص ۳۰۹

اپنے پیاروں کو عالم بناؤ.....اپنا پیارا ملک بچاؤ

بغیر علم کے اللہ کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی.....دنیاوی علم اللہ کی معرفت عطا نہیں کرتا

یہ دینی علم ہی کی شان ہے کہ وہ اللہ سے ملاتا ہے..... دنیاوی علم محض وسیلہ روزگار ہے۔

علماء کی قدر کیجئے.....عالم بنئے.....جاہل رہنے پر قناعت مت کیجئے۔

تحریکِ فروغِ علم

☆سب اعدائک لک، وشتم حسادک یساوی قیمتک، لانک اصبحت شیئا مذکورا، ورجلا مھما.☆